حضرت موسیٰ علیہ السلام

کی

پیغمبرانہ حکمت

تالیف

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: ہچ، یم، حسین ٹرسٹ

H.M.Husain Trust

Email: hmhamuwash@yahoo.com

Cell: +91 7095168679

طبع اول: جمادی الاول ۱۴۳۹ھ مطابق فروری ۲۰۱۸ء گریگورین Gregorian

نام کتاب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ حکمت

مصنف: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

تعداد اشاعت: 2000

صفحات: 24

قیمت: ہدیہ: ایچ، ایم، حسین ٹرسٹ

کمپیوٹر کتابت: مولانا سید عبدالحمید قاسمی (استاذ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم رحمانیہ، حیدرآباد)
Cell: +91 9849022015

باہتمام: انجینئر محمد عثمان حیدرآبادی

انتساب

محترم محمد اسحاق سیٹھ اور اہلیہ بنگلوری

(والدین ماجدین اہلیہ انجینئر محمد عثمان حیدرآبادی)

ملنے کا پتہ: (۱) مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ 0522-2741539

(۲) دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی، یوپی 09807240512

ناشر: ایچ، ایم، حسین ٹرسٹ

H.M.Husain Trust
Email: hmhamuwash@yahoo.com
Cell: +91 7095168679

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ ناشر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد!

قرآن مجید انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، جس پر عمل کرنے سے ہماری زندگیاں اس دنیا میں اور آخرت میں سلامتی وسکون کی ہوگی، یہ خالقِ کائنات کا وعدہ ہے۔

میرے حضرت! مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی اس کی تعلیم وتربیت میں صرف کی اور اس تعلیم وتربیت سے کئی زندگیاں اللہ پاک کی رضامندی میں گزریں؛ اسی کی ایک کڑی ''قرآن مجید کا دعوتی اُسلوب (حصہ چہارم)'' پیشِ خدمت ہے۔

آقائے کائنات سے التجا ہے کہ ہم سب کو اس سے استفادہ کی ہدایت اور توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اس کتابچہ کے معاونین کے ہم شکرگزار ہیں اور پروردگارِ عالم سے دُعا گو ہیں کہ اس کتابچہ کو قبول فرما کر ہم سب سے راضی ہوجائے اور ہم سب کو اللہ رب العزت سے راضی کرائے، آمین۔

طالبِ دُعا

انجینئر محمد عثمان حیدرآبادی

ناظم

ایچ، یم، حسین ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

چودھویں صدی کا اختتامی سال دارالعلوم ندوۃ العلماء کے لئے ایک نہایت مبارک سال ثابت ہوا کہ اس میں دارالعلوم میں ایک اہم کام کا آغاز کا گیا، ایک مستقل تعلیمی ادارہ اس غرض سے قائم ہوا کہ اس میں طلبہ کو دعوت وتبلیغ کے اُصول بتائے جائیں اور اسلامی فکر کی تربیت دی جائے، اس معہد کا نام المعهد العالی للدعوة والفكر الإسلامی تجویز ہوا، اس کا پہلا تعلیمی سال بہت ہی کامیابی کے ساتھ مکمل ہوا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ نے قرآن کریم کے اُسلوبِ دعوت پر اور عالم اسلام کے مشہور فاضل ڈاکٹر یوسف القرضاوی مدظلہٗ نے فکر اسلامی کے موضوع پر محاضرات (لکچرز) دیئے۔

جہاں تک قرآن کے اُسلوب دعوت کا تعلق ہے وہ نہ صرف یہ کہ اس معہد کا اہم ترین موضوع تھا بلکہ خود دارالعلوم کے تربیتی تخیل کا آئینہ دار تھا، ندوہ کی تاسیس جن مقاصد کے لئے ہوئی تھی ان میں اہم ترین مقصد دعوت دین کے لئے ذہنی وعلمی تربیت دینا تھا؛ اگر آپ ندوہ کے نصاب پر ایک نظر ڈالیں تو صاف نظر آئے گا کہ پورا نصاب جس محور کے گرد گھومتا ہے وہ قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ ہے اور تبلیغ ودعوت کی رُوح اس پورے نصاب میں کارفرما ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء نے عربی زبان کو ایک ایسی زندہ زبان کی طرح پڑھانے کا نظم کیا جو صرف کتابوں میں محدود نہیں ہے؛ بلکہ وہ تقریر وتحریر، علم وادب، تبلیغ ودعوت اور سیاست وصحافت کی بھی زبان ہے، برصغیر کی درسگاہوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے ندوہ کو اس خصوصی توفیق سے نوازا جس کا محرک سوائے اس کے کچھ بھی نہیں ہے کہ عربی زبان دعوتِ دین کا اولین ذریعہ ہے، اس کے ذریعہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی تہہ تک پہونچا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۝۴ (سورۃ ابراھیم)۔

''اور ہم نے جس پیغمبر کو بھیجا اس کی زبان وہی تھی جو اس کے بھائی بندوں کی زبان تھی تاکہ وہ واضح کرکے بتاسکے''۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصابِ تعلیم کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے برصغیر کے مدارس میں پہلی مرتبہ قرآن کریم کا نص (متن) (سلف کی تفسیروں کی روشنی میں) نصاب میں داخل کیا، قرآن کریم اور ادب عربی یہی دو بنیادی عناصر ہیں جن سے دعوت وتبلیغ کا ذہن تیار ہوسکتا ہے اور اس کی صلاحیت وقدرت پیدا ہوسکتی ہے اور جب تک کہ قرآن کریم سے شغف نہ ہو اور وہ ایک زندہ کتاب کی طرح نہ پڑھا جائے اور عربی زبان کا صحیح مذاق حاصل نہ ہو اس وقت تک دین کی صحیح فکر اس کے اولین مآخذ سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔

ایک داعی اور مبلغ میں کیا خصوصیات ہونی چاہئیں، اس کو کس طرح کا اندازِ گفتگو اختیار کرنا چاہیے، وہ ''حکمت'' کیا ہے جو تبلیغ دین کے لئے ضروری ہے اور جس کے بارے میں قرآن کریم کی ہدایت ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۝۱۲۵

(سورۃ النحل)۔

''اے پیغمبر! لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ''۔

ان سوالات کے تمام جوابات خود قرآن کریم میں موجود ہیں اور وہ اتنے اچھوتے اور نرالے انداز میں ہیں کہ اس سے زیادہ دلنشیں انداز کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے، قرآن کریم نے قصص کے ضمن میں انبیاء کرام کے مکالمات نقل کئے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ ان سے اگر کسی نے کج بحثی (مجادلہ) کی تو انھوں نے کس انداز سے اس کا منہ بند کیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت کس لہجے میں سنائی؟ نافرمانوں کو وعید کس اسلوب میں دی گئی؟ دعوت کن الفاظ میں کس طریقہ سے اور کس اُسلوب سے دی؟ یہ

بنیادی اُصول ہیں، جن سے کوئی مبلغ دین بے نیاز نہیں ہوسکتا اور کسی ملک میں اور کسی زمانہ میں بھی انبیائے کرام کے طریقۂ کار کو نظر انداز کر کے دین کی دعوت نہیں دی جاسکتی۔

اس معہد کی خوش نصیبی ہے کہ حضرت الاستاذ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر محاضرات کا سلسلہ شروع فرمایا اور یہ معہد ان ہی کی توجہات کا ثمرہ اور ان آرزوؤں کا حاصل ہے جو بانیانِ ندوۃ العلماء کے دل و دماغ میں پرورش پاتی رہی تھیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے بہتر اس موضوع کا حق شاید ہی کوئی ادا کرسکتا اس لئے کہ اولاً آپ کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کا وہ ذوق دیا ہے جو اہلِ زبان کو عطا ہوتا ہے اور اہلِ زبان میں بھی ان کو ملتا ہے جن کے اندر فطری و وجدانی ذوق ہوتا ہے اور جس کو وہ اپنے علم و مطالعہ سے جلا دیتے ہیں، دوسرے اس لئے کہ قرآن کریم آپ کا خاص موضوع ہے، اسی کے طالب علم رہے ہیں اور سالہا سال اس کی تعلیم دی ہے اس کا ذوق ان کے ریشہ ریشہ میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہے ع

شاخ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

مولانا نے تبلیغ و دعوت کا کام عمومی درس قرآن سے شروع کیا تھا جس کا سلسلہ ''ادارۂ تعلیمات اسلام'' اور لکھنؤ کے تبلیغی مرکز میں سالہا سال جاری رہا اور جس میں شہر کے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات، اہل علم اور عامۃ المسلمین بڑی تعداد میں بڑے ذوق و شوق سے شرکت کرتے تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بھی تقریباً دس سال تک آپ نے مختلف درجات میں قرآن مجید کا درس دیا، ان کی تصنیفات اور تحریروں میں قرآن مجید کے مطالعہ و تدبر اور ذوق و شغف کا فیض صاف نظر آتا ہے اور وہ ان کی تقریر و تحریر کی تاثیر کا راز ہے، یہ مصرعہ ان کے حسبِ حال ہے ع

اُنچہ کردم ہمہ از دولتِ قرآن کردم

مزید برآں آپ کے متعدد مقالات اور مستقل کتابیں موجود ہیں، جو قرآن کریم کے بعض اہم مسائل و مباحث کی فکر انگیز تفسیر تسلیم کی گئی ہیں، اُردو میں ''مطالعہ قرآن کے اُصول و مبادی'' اس کا ایک نمونہ ہے (جو آپ کے ان افادات و مضامین کا

مجموعہ ہے جو ۱۹۴۱ — ۱۹۴۰ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اثنائے درس میں مرتب وقلمبند ہوئے تھے) سورۂ کہف کی تفسیر میں آپ کی مستقل کتاب جو اصلاً عربی میں الصراع بین الایمان والمادیۃ اوتأملات فی سورۃ الکهف کے عنوان سے شائع ہوئی پھر اس کا ترجمہ اُردو اور انگریزی میں شائع ہوا، ماثورہ دعاؤں کی ادبی بلاغت کو ایک مقالہ میں قلمبند فرما چکے ہیں، جس میں دکھایا ہے کہ جامعیت اور انسانی ضروریات کا اس درجہ ادراک اور باریک بینی کے ساتھ ہر ہر حاجات کو سامنے لاکر اس کے لئے مناسب ترین الفاظ میں دُعا کرنا بلاغت نبوی کا معجزانہ اُسلوب ہے۔

پیش نظر خطبات دراصل وہ لکچرز ہیں جو آپ نے عربی میں معہد عالی کے طلبہ کے سامنے دیئے تھے، ان کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ یکجا کیا گیا مولانا کی نظر ثانی کے بعد روائع من ادب الدعوۃ فی القرآن والسیرۃ کے نام سے یہ کتاب مطبع ندوۃ العلماء سے شائع ہوئی۔

میں اپنے عزیز طلبہ مولوی ظریف احمد اور مولوی محمد صدر الحسن کا شکر گزار ہوں کہ ان عربی محاضرات کے جمع کرنے اور ان کو مرتب کر کے نقل کرنے میں انھوں نے گراں قدر مدد کی۔

مقام مسرت ہے کہ اس کتاب کے عربی سے اُردو میں منتقل کرنے کا نازک اور مشکل کام اسی درسگاہ کے ایک لائق و ناموں فاضل اور دونوں زبانوں کا پاکیزہ ذوق رکھنے والے اور صاحب قلم ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی استاذ جامعۃ اُم القریٰ مکہ معظّمہ کے ہاتھوں انجام پایا، جو اس خدمت کے لئے ہر طرح موزوں تھے اور جو اس کی بہتر سے بہتر صلاحیت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ان خطبات سے علماء و مبلغین اور عام مسلمانوں کو مستفید فرمائے اور اس سلسلہ کو نافع بنائے اور مولانا مدظلہٗ کی عمر و صحت میں برکت عطا فرمائے۔　　　واللہ ولی التوفیق وبہ الثقۃ

محمد رابع حسنی ندوی
(صدر معہد دعوت وفکر اسلامی)
دارالعلوم ندوۃ العلماء

۱۶ / ۵ / ۱۴۰۱ھ
۲۳ / ۳ / ۱۹۸۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ حکمت

پیغمبرانہ دعوت کا ایک اور نقش جمیل:

آج ہم پیغمبرانہ دعوت کا ایک اور نقش جمیل پیش کرتے ہیں، یہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا نمونہ، وہ دعوت جس کے لئے وہ مامور من اللہ تھے اور فرعون جس کا مخاطب تھا، یہ طریق دعوت و تبلیغ اس طریقِ کار سے مختلف ہے جو ہم نے پہلے پیش کیا تھا اور آئندہ جو نمونے پیش کئے جائیں گے، اس سے بھی یہ مختلف ہے، اس دعوت کی تین لحاظ سے نوعیت مختلف ہے، (۱) دعوت کا مزاج، (۲) داعی کی حیثیت (۳) جس کو دعوت دی جارہی ہے، اس کی صورتِ حال۔

یہ دعوت جو موسیٰ علیہ السلام نے دی، یہ دعوت جس پر وہ مامور کئے گئے تھے، انبیاء کرام کی دعوتوں سے ایک لحاظ سے مختلف کہی جاسکتی ہے، اس میں بھی مرکزی اور بنیادی عناصر موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت، توحید کی دعوت، آخرت پر ایمان کی دعوت، مرکر دوبارہ اٹھنے اور آخرت کی زندگی اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور غیبی اُمور کی دعوت؛ مگر ایک دوسرے پہلو سے مختلف ہے اور وہ یہ کہ ان بنیادی اور مرکزی مضامین دعوت کے علاوہ ایک اور مہم بھی دعوت میں داخل کردی گئی ہے، وہ مہم تھی بنی اسرائیل کو فرعون کے عذاب سے نجات دلانا، اور عقائد کی بنیاد پر جو مصائب ان کو فرعون کی طرف سے اٹھانا پڑے تھے، اس سے گلوخلاصی حاصل کرانا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مہم دوسرے انبیاء کرام کی مہم سے قدرے مختلف ہے:

وہ خاص ماحول اور حالات جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور جن میں انہوں نے پرورش پائی اور گردوپیش کی صورتِ حال جن سے ان کو سابقہ پڑا، ان باتوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کام کو دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے کام سے ایک حد تک مختلف نوعیت دے دی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مامور کیا گیا کہ فرعون سے صاف صاف کہہ دیں کہ وہ ظالم وجابر ہے اور وہ بنی اسرائیل پر مسلط ہے، وہ بنی اسرائیل جو انبیائے کرام کی اولاد تھے اور جن کے آباء (اس وقت کی دنیا میں) ایمان باللہ اور عقیدۂ توحید کے تنہا وارث تھے؛ یہاں معاملہ کسی خاص قوم کا یا کسی انسانی گروہ کا نہ تھا، جن سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی اور اس طرح کے انسانی گروہ آج بھی پائے جاتے ہیں؛ اگر کسی ایسے گروہ کا معاملہ ہوتا جس پر کوئی ظالم وجابر قابض ہو گیا ہو اور جن کو ظلم وبہمیت کے ذریعہ غلام بنائے ہوئے تھا اور عقیدے کی بنیاد پر ان کو مصائب اٹھانا پڑ رہے تھے تو بات آسان اور معمول کے مطابق سمجھی جاتی؛ کیونکہ آئے دن اور ہر جگہ ایسا ہوتا رہتا ہے اور تاریخ کے ہر دور میں ایسی مثالیں ملتی ہیں اور آئندہ بھی اس طرح کی صورتِ حال سے انسانی آبادی کا دوچار ہونا بعید نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کی ان کے معاصرین کے مقابلہ میں جداگانہ نوعیت وخصوصیت:

صورت حال اس درجہ سادہ اور معمولی نہ تھی، صورتِ حال یہ تھی کہ دینی واخلاقی قدروں میں انحطاط اور بہت سی کمزوریوں کے باوجود؛ یہی ایک باقی ماندہ قوم تھی، جسے ایمان باللہ صحیح معنوں میں حاصل تھا اور عقیدۂ توحید کی وارث وامین تھی، تاریخ کی شہادت ہے کہ بنی اسرائیل اپنی اخلاقی ودینی کمزوریوں کے باوجود، تاریخ کے ہر دور میں (کسی نہ کسی درجہ میں) عقیدۂ توحید پر قائم رہے، ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ سوائے یہود کے کوئی عقیدۂ توحید کا شناسا بھی نہ تھا، مفسرین نے قرآن مجید میں دنیا کی

قوموں پر فضیلت کا بار بار ذکر کرنے کی توجیہہ یہی کی ہے کہ شرک و بت پرستی کی اس تاریکی میں وہ تنہا عقیدۂ توحید کا چراغ روشن کئے ہوئے تھے[1]۔

صورتِ حال صرف اس قدر نہ تھی کہ بنی اسرائیل فرعون اور اس کی فوج کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندے جارہے تھے اور ایک ظالم وجابر حاکم وقت کے رحم وکرم پر پڑے تھے؛ بلکہ صورتِ حال یہ تھی کہ بنی اسرائیل عقیدۂ توحید کے حامل اور میراثِ نبوت کے امین تھے، یہ اس امانت کے حامل تھے، جو (اس دور میں) انبیائے سابقین علیہم السلام کی تعلیمات کا مجموعہ تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دوہری ذمہ داریاں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نوعیت دوسرے انبیائے کرام سے جداگانہ ہے؛ کیونکہ آپ پر دوہری ذمہ داری تھی، ایک ذمہ داری تو پیغام حق پہونچانے اور فرعون کو اُس خدائے واحد وقہار کی طرف متوجہ کرنے کی تھی، جس کا کوئی حکومت اور قانون سازی میں شریک نہیں اور دوسری ذمہ داری یہ تھی کہ فرعون سے مطالبہ کریں کہ وہ بنی اسرائیل کو آزاد کردے اور ان کے قیدیوں کو رہا کردے؛ چنانچہ قرآن مجید میں صاف صاف فرمایا گیا:

فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَاءِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۖ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ ۖ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ ﴿٤٧﴾ (سورۂ طٰہٰ)۔

’’(اچھا) تو تم اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم آپ کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں، تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیجئے اور انھیں عذاب نہ کیجئے، ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے

---

[1] اللہ تعالیٰ نے تاکید وتکرار کے ساتھ اس حقیقت کو یاد دلایا ہے: يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٤٧﴾ (سورۃ البقرۃ) ’’اے یعقوب کی اولاد وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور یہ کہ میں نے تم کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی‘‘۔

نشانی لے کر آئے ہیں اور جو ہدایت کی بات مانے اس پر سلامتی ہو"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا یہی وہ رُخ ہے، جو ان کی دعوت کو دوسرے انبیائے کرام کی دعوتوں سے ممتاز کرتا ہے؛ لیکن ان کی پوزیشن نازک تھی، کیوں؟ اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت منفرد نوعیت کی تھی، ان کی زندگی کا نشیب وفراز دوسروں سے بہت مختلف تھا۔

فرعون کے منصوبہ اور انتظامات کی ناکامی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک انتہائی تاریک، صبر آزما، گھٹے ہوئے بلکہ مردم خور ماحول میں پیدا ہوئے فرعون نے اپنے اینٹلیجنس (Intelligence) کو (جیسا کہ موجودہ اصطلاحات میں کہا جاتا ہے) یا اپنے محکمۂ پولیس کو ہدایت دی تھی کہ بنی اسرائیل میں کسی نومولود لڑکے کو زندہ نہ چھوڑے:

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ④ (سورۃ القصص)۔

"فرعون نے ملک میں سر اٹھا رکھا تھا اور وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا، ان میں سے ایک گروہ کو یہاں تک کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا، بیشک وہ مفسدوں میں تھا"۔

فرعون نے اپنا پلان بہت باریک بینی سے تیار کیا تھا، جس طرح ترقی یافتہ، منظم حکومتیں اپنے پلان تیار کرتی ہیں، یہ پلان یہ تھا کہ بنی اسرائیل میں کوئی لڑکا نہ ہونے پائے اور ایک نسل اس طرح گزر جائے تو بنی اسرائیل کی طرف سے ہمیشہ کے لئے بے فکر ہو جائے گا، صرف عورتیں رہ جائیں گی، ان سے ضرر نہیں، ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیا جائے اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیا جائے، فرعون نے ایک مطلق العنان حکمران کی طرح جس کے احکام کی کہیں اپیل نہ ہو سکے، اپنا فرمان نافذ کر دیا اور یہ چاہا کہ بنی اسرائیل میں

کوئی معمولی سطح کا بھی لڑکا زندہ نہ رہنے پائے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی تھی کہ ان میں ایک عظیم شخصیت پیدا ہو، فرعون کی یہ تدبیر تھی کہ بنی اسرائیل سے نجات حاصل کرے اور بنی اسرائیل میں ایسا لڑکا نہ پیدا ہونے دے، جو اس کی سلطنت وعظمت کا خاتمہ کرنے والا ثابت ہو اور اس کے پلان کو برباد کردے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے سارے منصوبے خاک میں ملادئے اور موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش مقدر کردی، وہ موسیٰ جن کے خوف سے بچے ذبح کئے جارہے تھے، فرعون کے کارندے بچوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے قتل کررہے تھے؛ لیکن وہ نومولود جس سے فرعون کو خدشہ تھا پیدا ہوکر رہا اور اللہ تعالیٰ کی مرضی پوری ہوئی، وہ پیدا ہوا، پلا، بڑھا، جوان ہوا؛ لیکن کیسے پیدا ہوا اور کیسے بچ گیا؛ کیوں کر پلا اور بڑھا، یہ انسانی تاریخ کے عجائبات میں سے ہے اور قدرتِ الٰہی کا معجزہ ہے کہ وہ بچہ اپنے سخت ترین دشمن کی گود میں پلا۔

خرقِ عادت کا پورا ماحول

اپنی نگاہِ تصور میں اس پورے ماحول کو رکھئے جس میں ایک ایک بات خرقِ عادت کا مظہر ہے، شروع سے آخر تک قدرتِ خداوندی کی معجزنمائی کا منظر ہے:

فَالْتَقَطَهٗ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـــِٕيْنَ ۝۸ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۱ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓي اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝۱۲ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳ (سورۃ القصص)۔

''تو فرعون کے لوگوں نے اس کو اُٹھالیا، اس لئے کہ نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لئے موجب غم ہو، بیشک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر چوک گئے اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ میری اور تمہاری دونوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرنا شاید یہ ہمیں فائدہ پہونچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ انجام سے بے خبر تھے اور موسیٰ کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تو قریب تھا کہ وہ اس قصے کو ظاہر کریں غرض یہ تھی کہ وہ مؤمنوں میں رہیں اور اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان لوگوں کو کچھ خبر نہ تھی اور ہم نے پہلے ہی سے دائیوں کے دودھ اس پر حرام کر دیئے تھے تو موسیٰ کی بہن نے کہا کہ میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں کہ تمہارے لئے اس بچے کو پالیں اور اس کی خیر خواہی سے پرورش کریں تو ہم نے اس طریق سے ان کو ان کی ماں کے پاس واپس پہونچا دیا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائیں اور معلوم کریں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے لیکن یہ اکثر آدمی نہیں جانتے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام (فرعون کے گھر میں پرورش پانے اور پروان چڑھنے کے بعد) پھر وہاں سے بغیر اجازت نکل کھڑے ہوئے، ایک قبطی کو ہلاک کرنے کا واقعہ پیش آیا جو شاہی خاندان یا شاہی قوم میں سے تھا:

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۖ اِنَّهٗ عَدُوٌّ

مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ (سورۃ القصص)۔

''اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے باشندے بے خبر ہو رہے تھے تو دیکھا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے ہیں، ایک تو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ہے اور دوسرا ان کے دشمنوں میں سے ہے تو جو شخص ان کی قوم میں سے تھا اس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ کے دشمنوں میں سے تھا موسیٰ سے مدد طلب کی تو انھوں نے اس کو مکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا کہنے لگے کہ یہ کام تو اغوائے شیطان سے ہوا بیشک وہ انسان کا دشمن اور صریح بہکانے والا ہے''۔

یہ ایک کھلا معجزہ تھا، قدرتِ خداوندی کا کھلا اظہار تھا، اللہ کی روشن نشانیوں میں سے روشن ترین نشانی تھی کہ اللہ دعوت و تبلیغ اور بنی اسرائیل کی نجات دہندگی کے لئے ایک ایسے شخص کو منتخب فرماتا ہے جس کی پوزیشن بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ کمزور اور نازک تھی۔

ایمانی اور قلبی قوتوں کی کاوشیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (جن کا تذکرہ قرآن کریم نے سورۂ قصص میں تفصیل سے کیا ہے اور دوسری سورتوں میں کہیں اجمال سے اور کہیں کسی درجہ تفصیل سے) اللہ کے دین کی طرف بلائے جانے پر مامور کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی بنی اسرائیل کو آزاد کرانے کی مہم بھی سپرد کی جاتی ہے اور یہ دونوں کام سخت ترین کاوش و کاہش چاہتے ہیں، دعوت الی اللہ کا کام سخت جان کاہی کا کام ہے، اس میں ایمان، ضبط نفس، صبر، اللہ پر بھروسہ اور یقین سبھی درکار ہیں، اسی طرح ایک قوم کی آزادی کا حصول کوئی آسان مہم نہیں ہے، سخت ترین کاوش چاہتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر ان دونوں گرانبار ذمہ داریوں کے احساس نے ایک تردد اور جھجھک کی کیفیت پیدا کر دی تھی، جس کی طرف قرآن کریم نے انہی کی زبانی اشارہ کیا ہے:

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾ (سورۃ الشعراء)۔

''اور ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ (یعنی قبطی کے خون کا دعویٰ) بھی

ہے سو مجھے خوف ہے کہ مجھے مار ہی ڈالیں"۔

یہ وہی بات ہے جس کی طرف فرعون نے اشارہ کیا تھا:

وَفَعَلۡتَ فَعۡلَتَكَ الَّتِیۡ فَعَلۡتَ وَاَنۡتَ مِنَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۱۹﴾ (الشعراء)

"اور تم نے وہ کام کیا تھا جو کیا اور تم ناشکرے معلوم ہوتے ہو"۔

اسی فرعونی آگاہی یا دھمکی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر یک گونہ جھجک سی پیدا کر دی تھی، ایک ہچکچاہٹ کی کیفیت تھی جس کا اظہار وہ خود فرما رہے تھے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں مہموں کے لئے ان کو منتخب فرما لیا تھا اور ان کاموں کے لئے ان سے بہتر اور موزوں کوئی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور کارِ نبوت کی ادائیگی کا ایک وہ منظر پیش کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح ایک صاحبِ وحی پیغمبر اور صاحبِ حکمت مبلغ و داعی اپنی بات پیش کرتا ہے اور وہ کس طرح ایمانی غیرت وحمیت، دعوت الی اللہ کی نزاکتوں سے پوری واقفیت اور اس کے شعور کو ایک ساتھ لے کر چلتے ہیں، وہ ایک نبی برحق تھے، پوری امت کے لئے اُسوہ اور مثال تھے، ان کے طریقِ خطابت سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کے لئے منتخب فرماتا ہے، ان کا اندازِ کلام اور اُسلوبِ خطاب کیا ہوتا ہے اور ان لوگوں کا انداز کیا ہوتا ہے جو خوشامد اور چاپلوسی کو اپنا شعار بناتے ہیں اور پیشہ ورانہ انداز میں دعوت کی انجام دہی کا دم بھرتے ہیں اور اپنے آپ کو حقیقت پسند یا "واقعی صورتِ حال کا اعتراف کر کے کام کرنے والا" شمار کرتے ہیں۔

اللہ کا محبوب ترین بندہ، ایک مبغوض ترین بندہ کے پاس جاتا ہے:

یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرماتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پسندیدہ بندے اور نبی برحق ہیں؛ مگر کس کی طرف اور کہاں بھیجے جا رہے ہیں؟ ایک ایسے دشمن کے پاس جو اللہ کا دشمن ہے، ایک محبوب ترین فرد ایک انتہائی قابلِ نفرت مخلوق کی طرف بھیجا جا رہا ہے، ایک اس کنارے پر ہے، دوسرا اس کے

برعکس دوسرے کنارے پر کھڑا ہے، ایک دوسرے کے بالکل متضاد ہیں، دو عام انسانوں میں اس درجہ تفاوت نہیں ہوتا، یہ تفاوت ایسے دو افراد کے درمیان پایا جاتا ہے، جو ایک دوسرے کی ضد ہیں، اپنے وقت کا سب سے بڑا پیغمبر اس شخص کے پاس بھیجا جا رہا ہے، جو قدرتِ حق کو چیلنج کرتا ہے، عظمتِ خداوندی کو چیلنج کرتا ہے، حدیثِ قدسی میں جس عظمت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عظمت میری چادر ہے، جو اس کو مجھ سے چھینے گا اس کو پیس کر رکھ دوں گا) فرعون نے اس عظمتِ خداوندی کو چیلنج کیا تھا، اس کی جرأت، بے باکی اور دریدہ دھنی اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ وہ:

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ (سورۃ النازعات)۔

''تمہارا سب سے بڑا مالک میں ہوں''۔

کا اعلان کر رہا تھا، ایسے شخص کے پاس جو صرف کفر و انکار کا مرتکب نہیں تھا؛ بلکہ خود خدائی کا دعویدار بن بیٹھا تھا، ایک مجرم اور قابلِ نفرت و لعنت وجود کے پاس ایک محبوب شخصیت کو بھیجا جا رہا ہے اور ان کو ہدایت کیا دی جاتی ہے؟:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ (سورۂ طٰہٰ)۔

''اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے''۔

اس ہدایتِ الٰہی کے بعد کسی داعی و مبلغ کے لئے اس امر کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ دعوت کے کام میں سخت کلامی یا لہجہ کی ترشی سے بات کرے اور اس کی کوئی بھی تاویل کر سکے؛ کیونکہ بے باکی، انکار، سرکشی میں فرعون سے سبقت و فوقیت لے جانے والے شخص کا تصور بھی مشکل ہے، جو یہ کہے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى لیکن اس سے بھی بات کرنے کے لئے جب پیغمبر وقت کو بھیجا گیا تو یہ ہدایت کی گئی کہ نرم لہجہ میں بات کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام کو جب یہ حکم ملا کہ فرعون کے دربار میں داخل ہو کر اس کے سامنے کلمہ حق کہیں تو:

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ (طٰہٰ)۔

''دونوں کہنے لگے کہ ہمارے پروردگار ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر تعدی کرنے لگے یا زیادہ سرکش ہو جائے''۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک نزاکت تھی اور ان کی پوزیشن میں کمزوری تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ﴿۴۶﴾ فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰکَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ﴿۵۰﴾ (سورۃ طٰہٰ)۔

''ڈرومت! میں تمہارے ساتھ ہوں اور سنتا اور دیکھتا ہوں، پاس جاؤ! اور کہو کہ ہم آپ کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیجئے اور انہیں عذاب نہ دیجئے ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے نشانی لیکر آئے ہیں اور جو ہدایت کی بات مانے اس کی سلامتی ہے، ہماری طرف سے یہ وحی آتی ہے کہ جو جھٹلائے اور سر پھیرے اس کے لئے عذاب (تیار) ہے (غرض موسیٰ اور ہارون، فرعون کے پاس گئے) اس نے کہا تمہارا پروردگار کون ہے؟ کہا: ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شئی کو شکل وصورت بخشی پھر راہ دکھائی''۔

فرعون کے ترکش کا ایک زہریلا تیر:

فرعون کا شیطانی دماغ تیزی سے کام کرنے لگا اور اس نے اپنے ترکش سے ایک ایسا زہر میں بجھا ہوا تیر نکالا جو کبھی خطا نہیں کرتا، ایسا تیر جو کسی بھی ذہین سے ذہین زیرک اور دانا و بینا مبلغ پر پھینکا جائے تو بغیر اپنا کام کئے نہ رہے؛ خواہ وہ مبلغ دین بڑے سے بڑا

فاصل روزگار ہو اور اس نے تبلیغ کے فلسفہ کا مطالعہ کیا ہو، نفسیات کا ماہر ہو، علم الاجتماع (سوشیولوجی) اور فن مناظرہ میں یکتا ہو، جو بھی ہو، اس تیر سے اس کا گھائل ہونا یقینی ہے وہ تیر یہ تھا کہ فرعون نے پوچھا:

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ (سورہ طٰہٰ)۔

''تو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا حال ہے؟''۔

فرعون کی شیطانی عقل وذہانت کا ایک نادر سوال تھا، وہ چاہتا تھا کہ اس کے دربار میں جو لوگ موجود تھے، ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف سخت اشتعال اور جذباتیت پیدا کردے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس طرح نجات بھی حاصل کرلے، اس طرح ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا، ایک تو یہ کہ دعوتِ توحید کو نظر انداز کردے؛ کیوں کہ یہ دعوت اس کے لئے انتہائی بھیانک چیز تھی، توحید کا عقیدہ دلوں کے تار ہلا دیتا ہے، فطرت انسانی کے اندر چھپا ہوا ایمان اس سے اُبھر آتا تھا، فرعون کے حاشیہ نشین بھی تو آخر بشر ہی تھے اور ان میں سمجھدار اور ہوشمند لوگ بھی تھے، ایسے بھی ہوں گے جن کا ضمیر مردہ نہیں ہوا ہوگا؛ لہٰذا ممکن تھا کہ دعوتِ توحید ان کے اندر کا جذبہ ایمان اُبھار دے؛ لہٰذا فرعون کی یہ کوشش ہوئی کہ وہ کسی طرح اس سوال کو ٹال جائے اور لوگوں کی نگاہ سے اس سوال کو اُوجھل کردے، اس لئے کہ یہ فرعون کی دکھتی رگ تھی اور وہ اس عقیدہ سے انتہائی درجہ میں خائف تھا، اس لئے اس نے ایک ایسا سوال کردیا جس سے اس کے حاشیہ نشین اور مصاحب سب کے سب چونکنے ہو جائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ محسوس کرنے لگیں کہ یہ ان کو آباواجداد کے راستہ سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں؛ لہٰذا اس نے سوال کیا ''تو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا حال ہے؟'' اس کے جواب دو ہی ہوسکتے تھے، یا تو صاف اور صریح جواب بغیر کسی لاگ لپیٹ کے دے دیتے کہ وہ لوگ جہنم میں ہیں:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ (سورۃ الانبیاء)۔

''تم اور جو کچھ پوجتے ہو اللہ کے سوا، جھوکنا ہے دوزخ میں، تم کو اس پر پہونچنا ہے''۔

یہ کہتے تو ظاہر ہے بات کا راستہ ہی بند ہو جاتا، سب غیظ وغضب میں بھپر جاتے اور ان کی رگِ حمیت جو دراصل جاہلیت کی رگ تھی اُبھر آتی، سب یا تو وہاں سے خفا ہو کر نکل جاتے یا سب مل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ٹوٹ پڑتے یا شور و ہنگامہ برپا ہو جاتا، موسیٰ علیہ السلام تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہمارے آباواجداد کی توہین کرتے ہو اور ہمارے احساسات کو پامال کرتے ہو؟۔

حکمتِ پیغمبرانہ اور مکمل معجزہ:

دوسری صورت یہ ممکن تھی کہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام خاموش رہ جاتے یا سیاست و ''حکمت'' سے کام لیتے مثلاً کہتے کہ جہاں تک بزرگانِ سلف کا تعلق ہے، ان کا احترام ہمارے دل میں بھی ہے اور وہ لوگ بلاشبہ بڑے عالم و بزرگ تھے اور اس طرح کی منھ دیکھی بات کرتے اگر ایسا کرتے تو فرعون یہیں پر ان کو پکڑ لیتا اور کہتا کہ اگر وہ عالم و بزرگ تھے اور قابلِ احترام تھے تو ہمارا عقیدہ بھی بعینہٖ وہی ہے جو ان کا عقیدہ تھا:

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾ (سورۂ طٰہٰ)۔

''کہا تو پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے؟ کہا: ان کا علم میرے پروردگار کو ہے جو کتاب میں (لکھا ہوا) ہے میرا پروردگار نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے''۔

لیکن انھوں نے یہاں سے روئے سخن پھر اس موضوع کی جانب پھیر دیا جو پہلے سے چل رہا تھا، جیسے بات سے بات نکلتی ہے، یہ ممکن تھا کہ وہ فرماتے، ان کے متعلق معلومات تاریخ میں ملیں گی؛ لیکن اگر ایسا کہتے تو صورتِ حال بدل جاتی، پھر تو فرعون بولنے اور تقریر کرنے لگتا اور لوگوں کے تصنیف کردہ افسانے جن کو تاریخی روایات کا درجہ دے دیا جاتا ہے اور جن کی اس کے زمانے اور عہد حکومت میں ''تاریخی حقائق'' کی طرح تعلیم و تلقین کی

جاتی ہوگی، ان سے استدلال کرتا؛ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی بات کہی جس کا کوئی جواب ہی نہ تھا اور جس سے کوئی مفر نہیں ہوسکتا تھا:

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ﴿۵۲﴾ (سورۂ طٰہٰ)۔

''کہا: اس کا علم میرے پروردگار کو ہے جو کتاب میں لکھا ہے''۔

ذرا ان الفاظ اور ان کی سادگی اور گہرائی کو ملاحظہ کیجیے، کتنی جچی تلی بات کیسے نپے تلے لفظوں میں کہہ دی، یہ ہے حکمت نبوت، دعوت کا اعجاز کامل؛ اگر ہم میں سے کوئی ایسی آزمائش میں پڑ جائے تو ایک نہیں ہزاروں طریقے پر اپنا مقصد ادا کرسکتا ہے اور مشکل سے نجات پاسکتا ہے، مثلاً کہتے اس کو چھوڑ و ''یہ بات علیحدہ ہے'' میرا مطلب گزشتہ زمانے سے نہیں بلکہ مجھے تو آج کی فکر ہے، وغیرہ وغیرہ۔

دعوت پر پختگی کے ساتھ جمار ہنا اور کسی حال میں اس مقصد کو فراموش نہ کرنا:

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعوت کی بات ترک نہیں کی اور گفتگو کا جوسرا اُن کے ہاتھ تھا اس کو نہیں چھوڑا اور بہت تیزی سے اصلی موضوع پر آگئے، اس تیزی سے جس سے زیادہ سرعت اور بلاغت کا تصور نہیں ہوسکتا اور وہ حکمت اختیار کی جس سے زیادہ گہری حکمت دیکھی نہیں گئی، ایک لفظ میں سارا مسئلہ حل کردیا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ اور یہ کہتے ہی اپنے موضوع پر آگئے عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى (کہ ان کا علم ہمارے پروردگار کو ہے جو کتاب میں لکھا ہوا ہے، میرا پروردگار نہ چوکتا ہے اور نہ بھولتا ہے) اور اپنی بات کا تسلسل ٹوٹنے نہیں دیا او ور اللہ تعالیٰ کی انہی صفات کا ذکر کرنے لگے جن سے فرعون بھاگنا چاہتا اور بات کا رُخ پھیرنا چاہتا تھا، ایسی مختصر آیت کو پڑھتے ہی ادبی ذوق کو وجد آنے لگتا ہے، ادب و بلاغت کے اس حسین شاہکار سے رُوح جھوم اٹھتی ہے اور عقل سرنیاز خم کردیتی ہے:

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ (سورۃ طٰہٰ)۔

''ان کا علم میرے پروردگار کو ہے جو کتاب میں لکھا ہوا ہے میرا پروردگار نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے، وہی تو ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے لئے رستے جاری کئے اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس نے انواع واقسام کی مختلف روئیدگیاں پیدا کیں کہ خود بھی کھاؤ اور اپنے چارپایوں کو بھی چراؤ بیشک ان باتوں میں عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں''۔

فرعون کی فکری پینترا بازی[1] اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی استقامت اور کامیابی:

دوسری مثال سورۂ شعراء میں ملتی ہے:

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ (الشعراء)

''فرعون نے کہا کہ تمام جہاں کا مالک کیا؟ کہا کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک، بشرطیکہ تم لوگوں کو یقین ہو فرعون نے اپنے اہالی وموالی سے کہا کیا تم سنتے نہیں ہو؟ (اس نے) کہا کہ تمہارا

[1] عربی میں حضرت مصنف مدظلہ نے (مراوغہ) کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کا مقصد پینترا بدلنا، آگے بڑھ کر پیچھے مڑنا اور اچانک حملہ کرنا، جس سے کھلاڑی کبھی کام لیتا ہے، انگریزی میں ڈاج کا لفظ (Dodge) بھی اس سے قریب مفہوم رکھتا ہے اُردو میں پینترا بازی سے مفہوم ایک حد تک ادا ہو جاتا ہے (مترجم)۔

اور تمہارے باپ دادا کا مالک (فرعون نے) کہا کہ (یہ) پیغمبر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، باولا ہے"۔

فرعون کی یہ فکری پینترا بازی تھی اور گفتگو کا رُخ بدلنے کی انتہائی چالاک کوشش، وہ چاہتا تھا کہ اصل موضوع سے لوگوں کی توجہ ہٹادے، اپنی قوتِ گفتار، انسانی وقومی نفسیات سے واقفیت (جو ایک تجربہ کار حکمراں کو حاصل ہوتی ہے) اور سیاسی داؤ پیچ سے بات کو ٹال دے اور حضرت موسیٰ سے نمٹ لے، ادھر حضرت موسیٰ کا کمال یہ تھا کہ وہ موضوع سے ذرا بھی ٹلنے کے لئے تیار نہیں تھے، فرعون نے کہا: وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ (سارے جہانوں کا پروردگار کیا؟) وہ چاہتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی ایسا جواب دیں جس سے بات دوسرا رُخ اختیار کرے اور مناظرہ چل پڑے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پر ھو ہی دکھتی رگ پکڑی: قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ط اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ (فرمایا وہ جو رَب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان کا جو ان دونوں کے درمیان ہے، بشرطیکہ تم یقین کرو) اس کا مطلب یہ تھا کہ خود فرعون کا تختِ سلطنت ایسا ہے جس کے کوئی پائے نہیں ہیں؛ مگر انھوں نے یہ کہا نہیں اور صرف اس پر اکتفا نہیں کیا کہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا بلکہ یہ بھی ساتھ ساتھ کہہ دیا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ (بشرطیکہ تم یقین کرو) اس طرح چیلنج کر دیا اور اصل مرض کی نشاندہی فرمادی (اگر تم یقین کرتے ہو) یعنی تم ایمان سے محروم ہو؛ اگر ایمان ہوتا تو دیکھ سکتے تھے کہ سارے جہانوں کا پروردگار وہی ہے جو آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان ہر شئی کا مالک اور پروردگار ہے۔

فرعون کے ترکش میں ایک ہی تیر تھا جس کو اس نے آزمالیا:

فرعون کے پاس حضرت موسیٰ کی زبان بندی اور لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانے کا ایک ہی ذریعہ تھا، جس کو وہ بار بار استعمال کر رہا تھا، قرآن کریم نے اس کو متنوع پیرایوں میں ذکر کیا ہے قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اپنے ہالی موالی سے کہا اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ سنتے نہیں؟ یہ کیا

کہہ رہے ہیں؟ یعنی کیا تمہاری رگِ حمیت نہیں بھڑکتی؟ تمہیں غیرت نہیں آتی؟ تم کو میری طرف سے جواب دینے اور منہ بند کرنے کی ہمت نہیں ہوتی؟ سنتے نہیں یہ کیا کہہ رہا ہے! لیکن قبل اس کے کہ وہ بولتے، ان میں جوش پیدا ہوتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بات پوری کر دی قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ (تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا پروردگار ہے) فرعون نے پھر ایک بار کوشش کی کہ ان کی بات کو ہوا میں اُڑا دے اور تحقیر کے انداز میں مذاق اُڑانے کا اُسلوب اختیار کیا اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ یہ تمہارا پیغمبر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، پاگل ہے، فرعون سمجھتا ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بات کے جواب میں اپنی مدافعت کریں گے اور کہیں گے کہ نہیں میں پاگل نہیں ہوں۔

فرعونی ترکش کا آخری تیر:

فرعون اس انسانی کمزوری سے واقف تھا کہ اگر کسی شخص کی ذات پر حملہ کیا جاتا ہے تو وہ اشتعال میں آجاتا ہے، اس سے اپنی توہین برداشت نہیں ہوتی، قرآنِ کریم نے اس ماحول اور مناظر کی وہ منظر کشی کی ہے، جیسے ہم دیکھ اور سن رہے ہیں، فرعون سمجھتا تھا کہ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ بھپر پڑیں گے اور کہیں گے کہ کون کہتا ہے کہ میں پاگل ہوں؟ بلاؤ کسی ڈاکٹر حکیم کو، کسی ماہر امراض کو میرا معائنہ کرے، فرعون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باؤلا اور پاگل کہا تو اس کا مقصد یہی تھا؛ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سب سنی اَن سنی کر کے اپنی ہی بات جاری رکھی۔

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ (سورۃ الشعراء)۔

"کہا کہ مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک، بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بابت کچھ نہیں کہا، نہ اپنی مدافعت میں ایک لفظ بولے، وہ اللہ کے فرستادہ پیغمبر برحق تھے، ان کے سپرد یہ مہم تھی کہ اللہ کے دین کی ان کو دعوت دیں، یہ سب باتیں (باؤلا، پاگل کہنا) ان کو یہ افروختہ نہیں کرسکتی تھیں اور ان کی دعوتِ حق کے مقابلے میں اس کی حیثیت ہی کیا تھی اور ایسے ماحول میں جس پر شرک چھایا ہوا ہو جس میں بت پرستی عام ہو، جس میں جرائم اوور معاصی کی پرورش ہو رہی ہو، جہاں آبرو باختہ، باعزت افراد کی پگڑیاں اُچھالنے کے درپے ہوں، جس ماحول میں معصوم بچے اور بے گناہ افراد قتل کئے جاتے ہوں، ایسے ماحول میں مجنون اور پاگل کی پھبتی اور چوٹ کوئی بڑی بات نہ تھی؛ لہٰذا انھوں نے سنی اَن سنی کر کے فرمایا کہ وہ رَب وہی رَب ہے جو مشرق و مغرب اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے سب کا پروردگار ہے، اس پر مزید ایک لفظ بڑھا دیا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۔

یہ تیر فرعون کے جگر کو چھلنی کر گیا، وہ تو سمجھتا تھا کہ مصر میں وہی رَب المشرق والمغرب ہے، اس کی سمجھ یہی تھی کہ سارا عالم مصر سے عبارت ہے اور وہ چونکہ مصر کا مالک ہے؛ لہٰذا سارا عالم اس کے قدموں کے نیچے ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مشرق و مغرب اور ان دونوں کے درمیان دنیا کا ذکر کر کے اسی کے غرورِ حکمرانی پر ضرب کاری لگائی اور وہ بنیاد ہی ڈھادی جس پر فرعون کی جھوٹی خدائی کی عمارت قائم تھی اور جس پر اس کو بڑا ناز تھا۔

پیغمبرانہ دعوت وحکمت کا یہ ایک نمونہ تھا، اس نمونہ میں دعوت دینے والا اور جس کو دعوت دی گئی ہے دونوں کی نوعیتیں مختلف اور جداگانہ نظر آتی ہیں، دعوت کا موضوع پیچیدہ اور نازک تھا اور داعی کی پوزیشن بڑی نازک اور کشمکش والی تھی، جس کو دعوت دی جارہی تھی، وہ ایک شہنشاہ اور حکمران مطلق العنان تھا، اسی لئے اس نمونۂ دعوت کا مطالعہ ہماری خصوصی توجہ کا طالب ہے، اس سے دوررس نتائج نکل سکتے ہیں اور اس سے طریقِ دعوت کے واضح اُصول وہدایات اخذ کی جاسکتی ہیں، جن سے دعوت کی فکری تعمیر اور عملی خاکہ بنانے میں بیش قیمت مدد مل سکتی ہے۔